R. No. 218657 — Regd. No. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت
۲۲-۱۵-۸-۱

جلد ۲۲۔ شمارہ ۳۶	ایڈیٹر۔ آل احمد سرور	۲۲ ستمبر ۱۹۶۳ء

اداریہ

لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی پانچویں رپورٹ

اخباروں میں کمشنر کی پانچویں رپورٹ کا خلاصہ شائع ہوا ہے۔ یہ رپورٹ حال میں لوک سبھا میں پیش کی گئی تھی۔

مفصل اظہار خیال تو پوری رپورٹ دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے لیکن اخبارں کے خلاصے سے بھی اس خیال کی تصدیق ہو جاتی ہے جو ہماری زبان میں بارہا ظاہر کیا گیا ہے۔ کمشنر نے تسلیم کیا ہے کہ لسانی اقلیتوں کے لئے تحفظات کا جو ڈھانچہ بنایا گیا ہے اور جس پر اتفاق ہو چکا ہے اس کی خلاف ورزی کی کچھ مثالیں بھی اس کے سامنے آئی ہیں۔ اس نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ ایسی مثالیں آئندہ اور کم ملیں گی اور اس سلسلے میں جو شکایات ہیں ان کو دور کرنے پر فوری توجہ کی جائے گی۔

کمشنر نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ریاستی حکومتوں کی اس سلسلے میں خاص ذمے داری ہے۔ نیز اقلیتوں کو بھی قوم کی زندگی کے دھارے کے ساتھ چلنا ہے۔

ریاستی حکومتوں نے لسانی اقلیتوں کے لئے سہولتیں دینے میں جو سستی کی ہے وہ اب ایک مسلّم حقیقت ہے دیکھنا ہے کہ کمشنر کی اس شہادت کے بعد صدر جمہوریہ اور پارلیمنٹ اس سلسلے میں کیا قدم اٹھاتے ہیں۔

یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم

پروفیسر ہمایوں کبیر مرکزی وزیر تعلیم نے پارلیمنٹ میں حال میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ کچھ عرصے تک یونیورسٹی کی منزل پر ذریعہ تعلیم ایک سے زیادہ زبانیں ہوں گی۔ ہمیں ان کے خیال سے اتفاق ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ حالات میں کچھ عرصے تک انگریزی کو ذریعہ تعلیم رکھا جائے [illegible]

ذریعہ تعلیم ہوں گی۔ اس کے لئے مناسب تیاری کی بھی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ ایک طرف ہر تبدیلی سے منھ موڑ لینا اور انگریزی کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھنا نہ ممکن ہے اور نہ مناسب اور دوسری طرف فوری تبدیلی جو بغیر کسی تیاری کے ہو نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے موجودہ حالات میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم رکھتے ہوئے علاقائی زبانوں میں جوابات لکھنے اور جہاں ضرورت ہو لیکچر دینے کی اجازت ہونی چاہئے۔ پھر علاقائی زبانوں میں درسی کتابیں بھی تیار کرنا چاہئیں یہ طلباء کی ذہنی استعداد کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری ہے، بلکہ علاقائی زبانوں کی ترقی بھی اس میں مضمر ہے۔ تخلیقی فکر صرف اپنی زبان ہی میں ممکن ہے۔ اور اس کے لئے فضا ہموار کرنے اور مواقع فراہم کرنے کے کام کو زیادہ عرصے تک ٹالنا قومی نقطۂ نظر سے مضر ہوگا۔ یونیورسٹیاں اسی وقت قومی مزاج سے ہم آہنگ افراد پیدا کر سکتی ہیں ورنہ اپنے دیس میں اجنبی تو اب بھی بہت نکلتے ہیں۔

اس اشاعت میں

سیر بین

آج کل زندہ ادیبوں اور شاعروں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ہاں وہ مر جائیں تو ان کے ماتم میں جلسے ہوتے ہیں۔ آنسوؤں اور آہوں کے درمیان تقریریں ہوتی ہیں، رسالوں کے خاص نمبر چھپتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے آج اردو یتیم ہو گئی، کوئی پکارتا ہے آج اردو بے سہارا ہو گئی، کوئی لکھتا ہے میرا داہنا بازو کٹ گیا، کوئی فرماتا ہے میرا دل و جگر چھلنی ہو گیا۔ کچھ من چلے میموریل کمیٹی بناتے ہیں۔ کسی سڑک یا کسی اسکول کے ساتھ شاعر یا ادیب کا نام جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی بیوہ اگر ہوئی تو اس کے لئے پنشن کی کوشش ہوتی ہے، بچوں کے لئے وظیفوں کی راہیں نکالی جاتی ہیں۔ ان کے کاروباری خطوط تک تلاش کر کے چھاپ دئے جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو دنیا اپنے محبوب شاعر یا ادیب کی موت کے انتظار میں جیتی تھی۔ زندگی میں کچھ کرنا شاید اسے اچھا نہ لگتا تھا۔ یہ حجاب دور ہو گیا، شخص تاریخ بن گیا تو ہر قدم اٹھایا جا سکتا ہے اور اٹھتا ہے۔ گویا یہ زندگی بے حقیقت ہے۔ اصلیت تو موت کے بعد ہی ظاہر ہوتی ہے۔

بمبئی میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ گاندھی جی کا ایک شاندار مجسمہ ساحل سے کچھ فاصلے پر سمندر میں نصب کیا جائے۔ اس کے لئے ایک کمیٹی بھی بن چکی ہے اور غالباً خاصی رقم بھی جمع ہونے والی ہے۔ دراصل نیویارک کے ساحل سے پہلے آزادی کے مجسمے کی وضع پر ہندوستان میں گاندھی جی کا مجسمہ بننے والا ہے۔ کیا گاندھی جی کی تعلیمات کو یاد رکھنے کا یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے کہ راج گھاٹ پر جو سمادھی ہے اس پر ہر باہر سے آنے والا معزز مہمان حاضر ہو، یا بمبئی کے ساحل کے قریب جو جہاز پہنچے اسے گاندھی جی کا مجسمہ دور سے نظر آئے۔ یا ان کے نام پر ہر شہر کی سب سے بڑی شاہراہ ہو۔ کاش ان کی یاد کے ساتھ انصاف ہوتا اور ان رسمی باتوں میں روپیہ ضائع نہ کیا جاتا۔ گاندھی جی کی سب سے اچھی یادگار یہ ہوگی کہ انہوں نے جن اعلیٰ قدروں کی خاطر ساری عمر جد و جہد کی اور جن کی خاطر جان دی، انہیں زندہ و تابندہ رکھا جائے اور ان سے نئے ہندوستان کی تشکیل میں مدد لی جائے۔

یہ اردو والے بھی عجیب ہیں۔ انھیں ہر مفید چیز میں اردو کے لئے کوئی خطرہ نظر آ جاتا ہے۔ بیچارے طالب علم بارے علم کے بوجھ کے دبے جا رہے تھے کے صرف پانچ رکھے جائیں۔ دیکھئے طلباء کا بوجھ کم ہوا یا نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اردو جیسے غیر ضروری اور ضمنی مضمون کم ہو گئے، تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سنا ہے فارسی پڑھ کر لوگ تیل بیچ لیا کرتے تھے، اردو پڑھ کر تیل بھی بیچنے کو نہ ملے گا۔ ہماری رائے میں تو مضامین کا یہ بار اور کم ہونا چاہئے۔ صرف ہندی پڑھائی جائے اور اس کی بنیاد مضبوط رکھنے کے لئے سنسکرت۔ باقی سب مضامین غیر ضروری ہیں اور انگریزی تو خالص بدیسی چیز ہے۔ لوہیا جی ٹھیک کہتے ہیں۔ اسے تو سب سے پہلے خارج کرنا چاہئے۔ اس کے بعد مغرب سے آئے ہوئے علوم یعنی سائنس وغیرہ کو بھی۔ ان کے پڑھنے سے طلباء کا دماغ خراب ہوتا ہے اور یوں بھی سائنس کی وجہ سے ہی ایٹم بم وجود میں آیا۔ ورنہ دنیا اس طرح تباہی کی طرف کیوں تیزی سے قدم بڑھاتی۔

انجمن کے وفد کی وزیر اعظم سے ملاقات

انجمن ترقی اردو ہند کا ایک وفد پنڈت ہردے ناتھ کنزرو کی قیادت میں منگل ۲۴ ستمبر کو سہ پہر میں پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم سے ملے گا جس میں اتر پردیش میں سہ لسانی فارمولے کے نفاذ اور اردو کی پوزیشن پر انجمن اپنے خیالات سے موصوف کو آگاہ کرے گی۔ وفد کے اراکین حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو　　صدر انجمن
۲۔ کرنل بشیر حسین زیدی
۳۔ ڈاکٹر تارا چند
۴۔ پنڈت آنند نرائن ملا
۵۔ پروفیسر مسعود حسین رضوی
۶۔ حیات اللہ انصاری
۷۔ قاضی عدیل عباسی
۸۔ ڈاکٹر عابد حسین
۹۔ پنڈت سندر لال
۱۰۔ پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن

وفد سے ملاقات کی روداد ہماری زبان کی اگلی اشاعت میں دی جائے گی۔

ہسوہ میں اردو

نمائندگان انجمن ترقی اردو ہسوہ کی کوشش سے پرائمری و ہائی اسکول ہسوہ ضلع فتحپور کے درجوں میں ڈسٹرکٹ بورڈ اور گورنمنٹ ہائی اسکول کے افسران تعلیمات نے یکم ستمبر ۱۹۶۳ء سے اردو کی تعلیم کا آغاز فرما دیا ہے۔

سید فضل المتین

راجپوتانہ گزٹ

"راجپوتانہ گزٹ" سے متعلق "خطبات گارسان دتاسی" میں علی گڑھ کا اخبار" مورخہ ۴ر دسمبر ۱۸۶۹ء کے حوالے سے مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے:

"راجپوتانہ گزٹ۔ اس اُردو اخبار کے بانی کرنل کیٹنگ (Keating) ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے انگریزی حکومت کے احکام و قواعد کی صوبے میں نشر و اشاعت کی جائے۔"

"خطبات گارسان دتاسی صفحہ ۷۸۲۔
اکیسواں خطبہ۔ ۱۶ر دسمبر ۱۸۶۹ء)

مندرجہ بالا عبارت سے نہ اخبار کے سنہ اجرا کا پتہ چلتا ہے۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس صوبے اور کس شہر سے شایع ہوتا تھا۔ تاہم یہ یقینی امر ہے، کہ "راجپوتانہ گزٹ" نامی ایک اخبار ۱۸۶۹ء میں نکلتا ضرور تھا۔

میرے یہاں "معینی کتب خانہ" میں "راجپوتانہ گزٹ" کی جو نامکمل فائل موجود ہے۔ اس میں ۱۸۸۸ء سے ۱۹۰۲ء تک کے مختلف شمارے ملتے ہیں۔ اکثر شمارے مکمل صفحات پر مشتمل ہیں، اور بعض شماروں کے بعض صفحات غائب بھی ہیں۔

موجودہ فائل میں سب سے قدیم جلد ۹ کا شمارہ ۵۲ ہے جو ۲۴ر دسمبر ۱۸۸۸ء کو شایع ہوا ہے۔ اب اگر ہم جلد ۹ کے پیش نظر اخبار کا سنہ اجرا معلوم کرنا چاہیں تو اس کا سنہ اجرا ۱۸۷۹ء قرار پاتا ہے، اور ہمارے پاس اس کی شہادت موجود ہے کہ "راجپوتانہ گزٹ" نامی ایک اخبار ۱۸۶۹ء میں نکلتا تھا۔ لہٰذا یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ اخبار وہ ہی ہے جس کا ذکر "خطبات گارسان دتاسی" میں آیا ہے۔ ہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ پہلے "راجپوتانہ گزٹ" کا اجرا ۱۸۶۹ء یا اس سے قبل عمل میں آیا۔ پھر اس کی اشاعت کا سلسلہ برقرار نہ رہ سکا اور بعد میں ۱۸۷۹ء میں اس اخبار کا دوبارہ اجرا ہوا۔

شمارہ ۵۲ جلد ۹ بابت ۲۴ر دسمبر ۱۸۸۸ء کے صفحات ۵-۶-۷-۸ پیش نظر ہیں۔ ہر صفحے کے ایک کالم پر اُردو اور دوسرے کالم پر ہندی رسم خط میں مختلف مضامین اور خبریں مندرج ہیں۔ اس شمارے کے علاوہ ۱۸۸۸ء کا کوئی دوسرا شمارہ موجود نہیں۔

اس کے بعد جلد ۱۰ کا شمارہ ۱۵ بابت ۱۵ر اپریل ۱۸۸۹ء ملتا ہے۔ لیکن یہ بھی صفحات کے اعتبار سے نامکمل ہے۔ ہاں اس کے بعد جلد ۱۰ کا جو شمارہ ۴۴ بابت ۲۴ر نومبر ۱۸۸۹ء موجود ہے۔ اس سے مندرجہ ذیل ضروری معلومات بہم ہوتی ہیں:

اس شمارہ کے صفحہ اول کی پیشانی پر جلی حروف میں اُردو رسم خط میں "راجپوتانہ گزٹ" اجمیر۔ تحریر ہے اور اس کے نیچے یہ عبارت درج ہے:

"اشتہار قیمت اخبار ——— اخبار ہر مہینے کی یکم۔ ۸۔ ۱۶۔ ۲۴ کو شایع ہوتا ہے۔ قیمت پیشگی ؤسا و سرکار سے دس روپے۔ عام ناظرین سے سات روپے۔ اجمیر کے رہنے والوں سے پانچ روپے چھ آنے ہم پیشگی لئے جائیں گے۔ مابعد صاحبوں سے ڈیوڑھی قیمت کا مطالبہ ہوگا۔ طلبہ سے بسند سارٹیفکٹ اسکول ماسٹر کے ۳ سالانہ پیشگی لئے جائیں گے جب تک چڑھی قیمت ادا نہ کی جائے گی اخبار بند نہ ہوگا۔ خط کاغذات وغیرہ بنام مالک و مہتمم آنے چاہئیں۔
المشتہر محمد مراد علی ہوشیار پوری پرنٹر اخبار راجپوتانہ گزٹ۔ اجمیر"

اس کے ذیل میں دو کالم کے اس پورے صفحے پر اُردو رسم خط میں مختلف اشتہارات درج ہیں۔
صفحہ ۲ کی پیشانی پر جلی حروف میں یہ عبارت ملتی ہے:

نمبر ۴۴۔ مطبوعہ ۲۴ر نومبر ۱۸۸۹ء عیسوی مطابق ۳۰ر ربیع الاول ۱۳۰۷ھ شنبہ جلد ۱۰۔

۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۵ء تک "راجپوتانہ گزٹ" اجمیر ۸ صفحات پر شایع ہوتا رہا۔ اور اس کے ہر صفحے کے ایک کالم پر اُردو اور دوسرے کالم پر ہندی رسم خط میں مختلف مضامین، اداری، نوٹس اور خبریں وغیرہ چھپتی رہیں۔ ۱۸۹۵ء سے ۱۸۹۹ء تک کے شمارے موجود نہیں ہیں۔ اس لئے اُن کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۲ء تک کے شمارے پیش نظر ہیں۔ ۱۹۰۰ء سے "راجپوتانہ گزٹ" میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

صفحات کی تعداد بجائے ۸ کے ۱۲ ہو گئی۔ سرورق کی پیشانی پر "راجپوتانہ گزٹ" صرف اردو رسم خط کے بجائے انگریزی، اُردو اور ہندی تینوں زبانوں میں تحریر ہونے لگا اور قدرے ترمیم کے ساتھ درج ذیل عبارت درج ہونے لگی:

"اشتہار قیمت اخبار ——— اخبار ہر مہینے کی انگریزی پہلی اور ۸۔ ۱۶۔ ۲۴ تاریخوں میں شایع ہوتا ہے۔ پیشگی قیمت رؤسا و سرکار سے عللہ، عام ناظرین سے سات روپے۔ اجمیر کے رہنے والوں سے پانچ روپے چھ آنے سالانہ لئے جائیں گے۔ اور سب صاحبوں سے ڈیوڑھی قیمت کا مطالبہ ہوگا۔

طلب سے بذریعہ سند ساٹیفکٹ اسکول ماسٹر کلیم
پیشگی قیمت ہے۔ جن حضرات کو اخبار بند کرانا
ہو پچھلا حساب درخواست التوا کے ساتھ ہی بیباق
کردیں ورنہ جب تک قیمت ادا نہ کی جائے گی اخبار
بند نہ ہوگا اور کل قیمت انھیں ادا کرنی پڑے گی۔
جملہ کاغذات زر وغیرہ بنام مالک مہتمم آنی چاہئیں۔
العبد محمد مراد علی۔

اس عبارت کے نیچے حسب ضرورت کبھی صرف اردو رسم خط میں اشتہارات درج ہوتے تھے اور کبھی علٰحدہ علٰحدہ کالم پر اردو اور ہندی رسم خط میں اشتہارات شایع کیے جاتے تھے۔

صفحہ ۲ پر اکثر اردو رسم خط میں اڈیٹوریل نوٹس وغیرہ شایع ہوتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی اس صفحے کے ایک کالم پر اردو رسم خط میں اور دوسرے کالم میں ہندی رسم خط میں اڈیٹوریل نوٹس بھی چھپتے تھے۔

صفحات ۳-۴-۵-۶ پر ہر دو کالموں میں ہمیشہ صرف اردو رسم خط میں خبریں، مضامین اور مختلف اخبارات کے اقتباسات چھپتے تھے۔

صفحات ۷-۸-۹-۱۰ پر ہر دو کالموں میں ہمیشہ صرف ہندی رسم خط میں خبریں، مضامین اور ادارتی نوٹس وغیرہ چھپتے تھے۔

صفحہ ۱۱ پر ہمیشہ اردو رسم خط میں مقامی اور دیگر مقامات کی خبریں درج ہوتی تھیں اور صفحہ ۱۲ پر اکثر اردو رسم خط میں مختلف اشتہارات شایع ہوتے۔ کبھی کبھی کوئی اشتہار ہندی رسم خط میں بھی چھپ جاتا تھا۔

آخری صفحہ ۱۲ کے حاشیے پر نیچے ہمیشہ یہ لکھا ہوتا تھا: "مطبع چراغ راجستھان اجمیر میں مولوی سید مراد علی ہوشیار مالک و مہتمم "اخبار" "راجپوتانہ گزٹ" کے اہتمام سے چھپ کر شائع ہوا۔"

جلد ۲۲ - شمارہ ۲۸ بابت ۲۴ جولائی سنہ ۱۹۰۶ء تک مالک و مہتمم کی حیثیت سے مراد علی صاحب کا نام درج ہے اور جلد ۲۲ شمارہ ۳۳ - بابت یکم ستمبر سنہ ۱۹۰۶ء میں مالک و مہتمم کی حیثیت سے موتی بیگم بیوہ مولوی مراد علی ہوشیار مرحوم کا نام ملتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگست سنہ ۱۹۰۶ء میں مراد علی صاحب نے انتقال فرمایا چونکہ اگست کا کوئی شمارہ موجود نہیں ہے اس لیے وفات کے دن اور تاریخ کا صحیح تعین نہیں کیا جاسکتا ہے یہاں یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ مالک و مہتمم کی تبدیلی کے باوجود اخبار کی نوعیت اور حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اب یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کے ہر دو مہتمم و مالک کے متعلق روشنی ڈالی جائے۔ پہلے مالک و مہتمم مراد علی صاحب ہوشیار کے لیے تو مضمون "مراد علی ہوشیار (بیاور)" مطبوعہ "ہماری زبان" بابت ۲۲ فروری سنہ ۱۹۶۲ء ملاحظہ کیا جاسکتا ہے اور موتی بیگم صاحبہ بیوہ مراد علی صاحب کے متعلق "راجپوتانہ گزٹ" اجمیر کے ایک معاصر اخبار "ستارۂ ہند" مراد آباد کی درج ذیل عبارت قابل توجہ ہے:

موتی بیگم

"اخباری دنیا کے لوگ ضرور موتی بیگم کے نام سے واقف ہوں گے۔ یہ مولوی مراد علی صاحب مرحوم کی بیوہ ہیں۔ مولوی صاحب مرحوم ایک بڑے معرکے کے شخص تھے جنھوں نے اپنے آخری زمانے کے اکیس بائیس برس اخباری زندگی میں گزارے اور راجپوتانہ کے وحشی لوگوں پر اپنا خوب سکہ جمایا اور ان کے دلوں میں اخبار کی قدر پیدا کردی۔ مولوی صاحب کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس واسطے مطبع "چراغ راجستھان" اور "راجپوتانہ گزٹ" اپنی بی بی موتی بیگم کے نام کردیا۔ یہ لائق بی بی پریس کے کاموں سے خوب واقف ہیں۔ اخبار کبھی اسی آب و تاب سے جاری ہے۔ جیسا کہ مولوی صاحب کی زندگی میں تھا ورنہ فی زمانہ بہت سے مرد بھی ہمت ہار بیٹھے ہیں۔ اسی سال ایک بمبئی کا اہل اخبار نادہندوں سے تنگ آکر خودکشی کر عدم کو سدھارا مگر آفریں اس بیوہ کے حوصلے میں اب تک کوئی کمی نہیں ان کی عقل مندی کفایت شعاری اور شجاعت کی تعریف مولوی صاحب نے اپنی "یادگار" میں بہت کچھ لکھی ہے۔ کسی وقت جب کہ مولوی صاحب ایک موقع پر گھیر لیے گئے تھے، تو اس بہادر عورت نے انگریزی افسر کی گاڑی کے گھوڑوں کی باگ پکڑ کر روک لیا تھا اور صاحب بہادر کو مولوی صاحب کی چٹھی دی اور اچھی طرح سے گفتگو کی کہ جس سے مولوی صاحب کو فوراً اس بلا سے نجات ملی۔ بیگم صاحبہ نے اس برس چند ریاستوں کا دورہ بھی کیا ہے۔ جس کا تذکرہ انھوں نے بڑی خوبی سے اپنے سفرنامے میں لکھا تھا۔"

(باقی صفحہ ۸ پر)

فرید

ڈاکٹر زور

"کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا" — اور چُپ بھی رہا نہیں جاتا
پھر وہی درد کی حکایت ہے — پھر وہی موت سے شکایت ہے
پھر وہی آہ و گریہ و زاری — پھر وہی محفلِ عزاداری
بختِ بد نے دکھائی پھر یہ گھڑی[۱] — غم کا سیلاب آنسوؤں کی جھڑی
جانے کس کس کو روئیں گے ہم لوگ[۲] — تا کُجا جان کھوئیں گے ہم لوگ
آہ کیفِ سخن کا دیوانہ — تھا جو اپنا، ہوا وہ بیگانہ
آفتابِ سپہرِ علم و ہنر — بحرِ معنیٰ کا شاہوارِ گہر
گلشنِ انتقاد کا مالی — زینت افزائے مسندِ حالی
روحِ تنقید اسیرِ ماتم ہے — زور سے غم گسار کا غم ہے
کون جامِ سخن پلائے گا؟ — نازِ انشا کے کون اٹھائے گا؟
کس کو ہے بادۂ سخن کا ہوش — شمعِ بزمِ ادب ہوئی خاموش
گولکنڈہ کی سیر کیا کہیے — ہو گیا حالِ غیر کیا کہیے

میر و غالب کا رازداں نہ رہا
فکرِ مومن کا ترجماں نہ رہا

نازشِ ہند۔ افتخارِ وطن — ساتھ لے کر گیا بہارِ چمن
جس کے فضل و ہنر کی تھی تنویر — از دکن تا بہ خطۂ کشمیر
یہ ہجومِ ملال کیا کہیے — علم و فن کا یہ حال کیا کہیے
جیسے بے روشنی چراغ کوئی — جیسے بے آب و رنگ باغ کوئی
جیسے اُجڑا ہوا سا مے خانہ — جیسے ٹوٹا ہوا سا پیمانہ
جیسے بے برگ و بار شاخِ چمن — جیسے بیوہ ہو ایک شب کی دلہن
جیسے بجھتا ہوا سا انگارہ — جیسے ٹوٹا ہوا کوئی تارہ
جیسے بے ماہتاب کالی رات — جیسے اُلجھی ہوئی سی راہِ حیات
جیسے محوِ سکوت بزمِ سخن — جیسے آتش زدہ کوئی خرمن
گرد آلودہ جیسے روئے یتیم — سست رو جیسے نبضِ مردِ سقیم
جیسے کوئی جہاز بے لنگر — یا کوئی طائرِ شکستہ پر
جیسے آوارہ کارواں کوئی — جس کا رہبر نہ پاسباں کوئی

علم و فن کا مزاج داں نہ رہا
نہ رہا میرِ کارواں نہ رہا

۱؎ ڈاکٹر زور کے انتقال کے بعد چند تاثرات نومبر ۶۲ء میں قلم بند کر لئے گئے تھے۔

۲؎ سنہ ۶۲ء میں حمید نظامی، سید محمود طرزی، آغا محمد اشرف، منوہر لال شارب، ڈاکٹر کنور اشرف، مولانا حفظ الرحمن، شاہد صدیقی، ڈاکٹر زور، نوح ناروی، ڈاکٹر غلام یزدانی، خواجہ عبدالحمید، شاعر شمس لکھنوی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

۳؎ خط کشیدہ۔ ڈاکٹر زور کی تصانیف۔

محمد حسین خاں مہر

اُردو زبان

اُردو ہے جس کا نام محبت کا ہے پیام
ہندو کو رام رام مسلمان کو سلام

ہے ذات پات فرقہ پرستی سے یہ بلند
مذہب سے واسطہ نہ سیاست سے اس کو کام

جوڑا ہے ایک رشتے سے ہندوستان کو
پنجاب ہو اودھ ہو دکن ہو کوئی مقام

یہ ہند میں بڑھی تو ہمالے کے سر چڑھی
دلی سے پہنچی راس کماری یہ خوش خرام

اس کی نگاہِ مہر میں سب بھائی بھائی ہیں
کوئی سفید رنگ ہو یا ہو سیاہ فام

ہندوستاں کی ساری زبانوں کے میل سے
آئی وجود میں ہے ہماری زبانِ عام

کہتے ہیں جس کو اُردو ہماری زبان ہے
بھارت کی بیٹیوں میں بڑی ہے یہ نیک نام

سرمایہ قوم کا ہے وطن کی ہے ملکیت
جاری ہے اس کا فیض برائے خواص و عام

اک ہند و پاک کا ہی اجالا نہیں ہے یہ
دنیا کے گوشے گوشے میں ہے اس کا احترام

اے تو کہ نازِ گنگ و جمن حسنِ خاکِ ہند
لبریز تیرا کوثر و تسنیم سے ہے جام

ہے جنتِ نگاہ چمن در چمن بہار
خورشید نیم روز جمالِ مہ تمام

فردوسِ گوش نغمہ و آہنگِ ساز و چنگ
ناہید و زہرہ مطربِ چرخِ بلند بام

مینا بدوش جام بکف میکدہ بسر
جوشِ شباب و مستیِ چشمانِ لالہ فام

بزمِ طرب میں جانِ غزل روحِ مثنوی
میدانِ کارزار میں شمشیرِ بے نیام

گل چہرہ گل عذار سمن بر سمن نگار
الماس و لعل و سلکِ گہر دولتِ دوام

تیرے ہی دم قدم سے شبِ مالوہ میں نور
تیرا ظہور صبحِ بنارس اودھ کی شام

اُردو پڑھو پڑھاؤ، لکھو، بولو دوستو
اصلِ کلام بس ہے یہی حاصلِ کلام

مراسلات

اُردو کی تعلیم کا ناقص انتظام

مولانا شاہ معین الدین صاحب نے "معارف" اعظم گڈھ میں اُردو تعلیم کے بارے میں ایک مضمون لکھا ہے جس میں علاوہ اور باتوں کے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ بچّوں کے سرپرست ان کو اُردو دلاتے نہیں ہیں اور جہاں جہاں اُردو کا انتظام ہے وہاں وہاں بھی اُردو لینے والے بچّوں کی تعداد گھٹ رہی ہے۔ اس لئے مولانا صاحب کی رائے میں کل قصور حکومت ہی کا نہیں ہے بلکہ والدین بھی قصوروار ہیں۔ اس مضمون کا اقتباس "ہماری زبان" علی گڑھ میں بھی شائع ہوا ہے۔

مولانا شاہ معین الدین صاحب ہندوستان میں بہت اونچی پوزیشن رکھتے ہیں اور "معارف" اردو کا وہ مستند علمی و ادبی رسالہ ہے جس کی نظیر نہیں ہے۔ ایسی حالت میں مندرجۂ بالا بیان اس لحاظ سے انتہائی مضر ہو سکتا ہے کہ اس نے اُردو کی تعلیم کی کمی کا جزو والدین کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اس لئے میں مودبانہ طور پر چند گزارشات اس سلسلے میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ ارباب علم بالعموم اور حضرت شاہ صاحب بالخصوص توجہ فرمائیں گے:

(۱) محکمۂ تعلیمات ریاست اتر پردیش کی جانب سے شروع سے اُردو کو کسی ایسی زبان یا کسی ایسے مضمون سے متصادم کیا گیا ہے جس سے اُردو کی تعلیم کے لئے بچّے کو اپنا مستقبل قربان کرنا پڑتا ہے۔ کئی مرتبہ اس کی لڑائیاں لڑی گئی ہیں اور وہ تمام تفصیل اس وقت بیان کرنا منظور نہیں ہے خود حضرت شاہ صاحب کو علم ہوگا۔

(۲) اس وقت تک تمام جونیر ہائی اسکولوں کا یہ حال رہا ہے کہ بچّے کو اگر اُردو لینا ہے تو اسے انگریزی چھوڑ دینا ضروری ہے۔ اردو اور انگریزی دونوں زبانیں وہ نہیں لے سکتا اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ ۹/۱۰ بچّے جونیر ہائی اسکولوں میں درجہ (٦) میں داخل ہوتے ہیں۔

(۳) سنہ ۱۹٦۲ء کا جو سلیبس بنا ہے اور اس سے پہلے بھی جو رائج تھا ان میں انٹرمیڈیٹ کے کسی گروپ میں سوائے تعمیری، جمالیاتی اور لٹریری گروپ کے اُردو لینے کی گنجائش نہیں ہے۔ انٹرمیڈیٹ میں اُردو ایک کلاسیکل زبان کے ساتھ لی جا سکتی ہے۔ یعنی درجہ (۱۰) کے بعد محکمۂ تعلیمات کے قواعد کی رو سے اردو کی تعلیم کا انتظام اگر ہے تو صرف کلاسیکل زبان کی حیثیت سے ہے اور صرف وہی بچّے اردو لے سکتے ہیں جو لٹریری گروپ میں ہوں۔ اس لئے جہاں تک انٹرمیڈیٹ کا سوال ہے اُردو قریب قریب ختم سی ہو گئی ہے کیونکہ زیادہ تر لڑکے سائنس اگریکلچر اور کامرس گروپ کے ہوتے ہیں جن میں اُردو کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

(۴) سنہ ۱۹٦۲ء کے سلیبس کے مطابق ہائی اسکول تک جمالیاتی، تعمیری، کامرس اور اگریکلچر چار گروپوں میں اردو کی کوئی گنجائش اختیاری مضامین میں نہیں ہے۔ البتہ جو تین مضامین لازمی ہیں ان میں وہ انگریزی کو ترک کر دے تو اُردو لے سکتا ہے۔

(۵) سائنٹفک گروپ میں اختیاری مضامین میں بچّے کو صرف یہ گنجائش دی گئی ہے کہ وہ یا تو بیالوجی لے یا اُردو لے۔ یعنی اگر وہ بیالوجی لینا چاہتا ہے تو اُردو نہیں لے سکتا۔ اب ان بچّوں پر غور کیجئے جو ریاضی میں کمزور ہیں۔ دسویں درجہ تک ریاضی ایک لازمی مضمون ہے۔ کسی طرح ریاضی کا امتحان دے کر پاس کر لیا۔ ریاضی دسویں تک ابتدائی ہے۔ انٹرمیڈیٹ سے بہت مشکل ہے۔ اب اگر کوئی بچّہ جو ریاضی میں کمزور ہے بیالوجی چھوڑ کر اُردو لے لے۔ تو وہ گیارہویں میں جاکر کیا لے۔ بیالوجی اس نے پڑھی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ اسے ریاضی لینی پڑے گی جس میں وہ چل نہیں سکتا اس لئے وہ مجبور ہے کہ اُردو ترک کرکے بیالوجی لے لے۔

(٦) اب صرف لٹریری گروپ رہ گیا اس میں ضرور اسے اُردو لینے کی گنجائش ہے اور اگر حساب لگایا جائے تو لٹریری گروپ میں جہاں بچّے اُردو پاتے ہیں وہاں ضرور لیتے ہیں۔ مگر بہت سے اسکولوں اور کالجوں میں اُردو کا انتظام ہی نہیں ہے۔

(۷) اسی طرح اُردو اور ہندی لینے والے بچّوں کی حالت مختلف ہے۔ جس لڑکے کی مادری زبان ہندی ہے وہ انگریزی بلا تکلف ہر جگہ لے سکتا ہے اور اس کے بعد جس گروپ میں رہے اپنی پسند کے مضامین لیکر پڑھ سکتا ہے۔ جس بچّے کی مادری زبان اُردو ہے وہ ایک آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

(۸) اب سہ لسانی فارمولے سے امید ہوئی تھی کہ بچّہ اُردو ہندی اور انگریزی لے کر اطمینان قلب حاصل کر سکے گا۔ لیکن جو آرڈر آیا ہے اس میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ اُردو لے سکے گا بشرطیکہ انتظام ہو۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض بعض جگہ ۴۴ اور اس سے زائد لڑکے مسلمان اور ہندو سنسکرت کے بجائے اُردو لینا چاہتے ہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ انتظام نہیں ہے۔

پس مندرجہ بالا حالات میں والدین کو قصوروار قرار دینا کہاں کا انصاف ہے۔ مولانا شاہ معین الدین اور اسی طرح کے کل ہند رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ جدوجہد کرکے اُردو داں

پبلک کو اس آزمائش سے نکالیں نہ کہ اُلٹا اُردو والوں کو مورد الزام قرار دیں جس سے یہ نتیجہ اخذ ہو کہ حکومت تو پڑھا رہی ہے لیکن لوگ اُردو پڑھتے ہی نہیں۔ یہ بات قطعی غلط ہے اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر سہولت دے دی جائے تو بلا کسی کوشش کے مسلمان ہندو عیسائی ہریجن بچے اُردو بخوشی پڑھنے کے لئے آمادہ ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا اپنے بیان پر نظر ثانی فرمائیں گے تاکہ وہ مضرت جو اس بیان سے پیدا ہوئی ہے دور ہو جائے۔ (محمد عدیل عباسی)

"فرہنگِ امثال"

مختلف زبانوں کا مطالعہ بڑا ہی دلچسپ مشغلہ ہے "ہماری زبان" کے معزز قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر یہاں کچھ یونانی کہاوتیں نقل کرتا ہوں جو ہماری اپنی کہاوتوں سے ملتی جلتی ہیں۔

(۱) Ἀεὶ κολοιὸς παρὰ κολοιῷ ἱζάνει - ایک کوا ہمیشہ کوے کے پاس آ بیٹھتا ہے۔
کند ہم جنس با ہم جنس پرواز　　کبوتر با کبوتر باز با باز۔

(۲) Αἱροῦντες ᾑρήμεθα - ہم لوگ پکڑنے چلے تھے: خود ہی پکڑے گئے۔ لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔

(۳) Γλαῦκας εἰς Ἀθήνας - اتھینس کو الّو۔ الٹے بانس بریلی۔

(۴) Ἢ τὰν ἢ ἐπὶ τᾶς - یا یہ (ڈھال) یا اس پر۔ تخت یا تختہ۔

(۵) Μετὰ πόλεμον ἡ συμμαχία - بعد جنگ کے مدد۔ بعد محرم یا حسین۔

(۶) Σκιομαχία - پرچھائیوں سے لڑائی۔ ہوا سے لڑنا۔

اور بھی بہت ساری تلاش کی جا سکتی ہیں۔ (اقبال کرشن)

حیدرآباد سے جوش کی علٰحدگی

حیدرآباد سے جوش کی علٰحدگی کے متعلق جوش صاحب کے سوائے ان کے بہت سے واقف حضرات نے وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ہر ایک نے دوسرے کو غلط ثابت کیا ہے۔ اب بہتر صورت تو یہی ہے کہ واقف حضرات اپنی تحقیق بند کریں اور خود جوش صاحب سچی باتیں لکھ کر ناظرین کو ان کے احباب کی غلط تحقیق سے بچا لیں۔

(سید محمد اشفاق)

تاج محل کی تعمیر

چند دن ہوئے تاج محل کے بارے میں آپ کے موقر جریدہ میں ایک مخطوطہ کا ذکر کیا گیا تھا اور اسی کی بنیاد پر بتایا گیا تھا کہ تاج محل پر کیا لاگت آئی۔ اتفاق سے میرے پاس بھی وہی مخطوطہ موجود ہے۔ میں نے ملا کر دیکھا تو متعدد رقوم یکساں نظر آئیں۔ ان صاحب کا نسخہ غالباً غیر مکمل ہے۔ میرا مکمل ہے اور کاتب کا نام بھی آخری صفحہ پر یوں درج ہے: "۲۱ر دسمبر ۱۸۷۶ اختتام یافت۔ بدستخط جام عاصی بندہ مرزا اسمٰعیل بیگ شفی عفی عنہ العبد (دستخط بطرز المغربی) تمام شد۔"

بمبئی میں میرے ایک دوست حکیم اکرامی کے پاس اسی موضوع پر ایک مفصل قلمی کتاب تھی۔ افسوس ہے کہ ایک صاحب نے وہ کتاب مستعار لی اور اسے ہضم کر لیا۔ بہرحال وہ مخطوطہ میرے مخطوطے کے مقابلے میں بہت زیادہ جامع تھا۔ میرے مخطوطے میں ۸۰ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۷ سطریں ہیں۔ ہندسے پرانے طریقے پر لکھے گئے ہیں اور وہ سب کے سب سُرخ روشنائی میں ہیں۔ کبھی موقع ملا تو اس پر تفصیلی مضمون لکھوں گا۔

(ضیاء الدین احمد برنی)

عبد العلی آسی مدراسی

ہماری زبان کے ۱۵ر اگست ۱۹۶۳ء کے شمارے میں جناب ابو علی، اعظم گڈھ کا مضمون بعنوان عبد العلی آسی مدراسی پڑھا۔ ابو علی صاحب نے آخر میں ایک شعر اور ایک مصرع لکھا ہے۔ یہ تو معلوم نہیں ہے کہ یہ اشعار کس آسی صاحب کے ہیں۔ البتہ میں نے کچھ دوستوں کی زبانی اس غزل کے کچھ اشعار سُنے تھے۔ میں نے انھیں کہیں پڑھا بالکل نہیں۔ ہو سکتا ہے ان اشعار کا وزن بھی اب ٹھیک نہ رہا ہو۔ میرا مطلب ہے کہ کچھ الفاظ اِدھر اُدھر ہو گئے ہوں تو کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں ویسے یہ اشعار مجھے اُسی غزل کے معلوم ہوتے ہیں جس کا ذکر جناب ابو علی، اعظم گڈھ نے کیا ہے۔
تو شعر سُنیے ؎

بدگمانی نہ کرو آج رہو میرے گھر
شب اندھیری بھی ہے بادل بھی ہے گھر دور بھی ہے
عید کا روز ہے گلے آج تو مل لے ظالم
رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

(دل جیت سنگھ ولد بابو دلیپ سنگھ)

"یہ شعر کس کے ہیں"

(۱) چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

(۲) مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم
یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

پہلے شعر کے خالق مصحفی کے ایک شاگرد منولال صفا ہیں۔ دوسرا شعر قائم چاند پوری کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے مگر یہ شعر قائم چاند پوری کا نہیں ہے۔ ابھی تک اس شعر کے خالق کے صحیح نام کا پتہ نہیں چل سکا ہے۔

مزید معلومات کے لئے قاضی عبدالودود صاحب کے مضمون "آوارہ گرد اشعار" کا مطالعہ کیجئے۔ مذکورہ مضمون "نقوش لاہور" کے "ادب عالیہ" نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ رسالہ کے صفحہ ۱۳۵ پر فاضل مضمون نگار نے اس شعر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔

(اقبال ردولوی)

(۲)

مجلس وعظ تو .... (الخ)

یہ قائم کا شعر ہے۔ اس شعر کا تذکرہ مولانا شبلی نعمانی نے شعر العجم حصہ دوم صفحہ ۲۹ میں حافظ کے اس شعر کے ساتھ کیا ہے:

گر ز مسجد بہ خرابات شدم عیب مگیر
مجلس وعظ دراز است و زمان خواہد شد

(سید محمد علی زیدی مدیر شہر آرزو)

(۳)

چرخ کو کب یہ سلیقہ ...... (الخ)

مندرجہ بالا شعر استاد مصحفی کے شاگرد رشید جناب منولال صفا لکھنوی کا بتایا جاتا ہے۔　　(مسعود حسن تخویر)

(۴)

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ...... (الخ)

یہ شعر رام منوہر صفا کا ہے جو میر تقی میر کے شاگرد تھے۔

(پروفیسر محمد یوسف ناجی)

مشورے

ہماری زبان کی موجودہ ترتیب پہلے سے کہیں بہتر ہو گئی ہے۔ پہلے صفحہ پر "فہرست ہماری زبان" ہے۔ اگر اختتام سال پر ماہنامہ "برہان" دہلی اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کی طرح سال بھر کے شائع شدہ مضامین کی فہرست بھی شائع کی جائے تو بہت اچھا ہو گا۔ یہ فہرست ان لوگوں کے بہت کام آئے گی جو سال بھر کے شائع شدہ شماروں کو جلد بنوا کر محفوظ کر لیتے ہیں۔ اس طرح سال بھر کے مضامین پر ایک نظر میں معلومات حاصل کی جاسکیں گی۔　　(فضل المتین)

"تاج محل" پر مواد کی تلاش

"تاج محل" پر ایک فلم زیر ترتیب ہے۔ قارئین "ہماری زبان" سے التماس ہے کہ اس موضوع پر جو مواد ان کے پاس ہو یا ان کے علم میں ہو براہ کرم مندرجہ ذیل پتہ پر مجھ کو مطلع فرمائیں اور ان کتابوں کی نشان دہی فرمانے کی بھی تکلیف گوارا کریں جن سے اس سلسلے میں کچھ مدد مل سکے۔

سعید انیس ۲۶۴، بیلاسس روڈ۔ بمبئی ۸

بقیہ

راجپوتانہ گزٹ

یہ عبارت "راجپوتانہ گزٹ" بابتہ ۸ دسمبر ۱۹۰۲ء میں اڈیٹوریل نوٹس کے کالم میں "ستارہ ہند کی ہمدردی اور ہمارا شکریہ" کے عنوان سے "ستارہ ہند" کے حوالے سے شائع ہوئی ہے۔

اب آخر میں "راجپوتانہ گزٹ" کی مجموعی حیثیت کے پیش نظر مجھے یہ کہنا ہے کہ اس کی اہم خوبی یہی نہیں تھی کہ اس کی اشاعت باضابطہ ہوتی تھی۔ اس کی کتابت و طباعت اور ترتیب نہایت مناسب اور موزوں ہوا کرتی تھی، بلکہ اس میں قریب قریب وہ تمام صحافی خوبیاں موجود تھیں جو کسی ہفت روزہ اخبار کے لئے ضروری ہوا کرتی ہیں۔ اور اس میں اجمیر اور راجستھان کے مختلف علاقوں مثلاً جودھپور، اودے پور، بیکانیر، جھالاواڑ اور کوٹہ وغیرہ نیز دیگر شہروں کے حالات پر مفصل صحافتی نوٹس، سیر حاصل مضامین اور دیگر اہم خبریں ہی شائع نہیں ہوتی تھیں، بلکہ بلاشبہ "راجپوتانہ گزٹ" ہر لحاظ سے ایسا مکمل، اور کامیاب اخبار تھا۔ جس نے اپنے وسیع دائرہ معلومات کے لئے نہ صرف پورے "راجپوتانہ" کو احاطہ کر لیا تھا بلکہ ہندوستان کے دیگر مقامات اور "بیرون ہند" کی اہم خبریں بھی اس میں شامل اشاعت ہوتی تھیں۔ بہرحال آج یہ بات تو بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس شان کا کوئی اردو اخبار موجودہ "صوبہ راجستھان" کے کسی شہر سے اس سے پہلے کبھی نکلا۔ مجھے افسوس ہے کہ ان معلومات کے لئے فی الحال کوئی ذریعہ نہیں کہ یہ اخبار کب تک نکلتا رہا اور کس بناء پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بہار اسٹیٹ اُردو ابتدائی تعلیم کانفرنس

(کنوینر صاحب کا گشتی خط) آپ اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ کسی قوم کی تعمیر و ترقی میں اس قوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت کتنا اہم رول ادا کرتی ہیں۔ یہ وہ بنیادی اینٹ ہے جس پر ہم اپنے مستقبل کا عظیم الشان محل تعمیر کر سکتے ہیں۔ اگر ابتدائی مرحلے میں ہمارے بچے خام رہ گئے اور ان کی تعلیم ناقص رہ گئی تو پھر ہماری اگلی نسل سماج کا ایک عضو معطل ہو کر رہ جائے گی۔ آج ہمارے ملک میں ابتدائی تعلیم کی منزل پر اُردو آبادی کے ساتھ جو زیادتی ہو رہی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ اردو بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم سے محروم کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔ اس طرح ہماری اگلی نسل کو ان کی زبان، تہذیب، روایات، کلچر اور تاریخ سے نابلد کر کے ان کے ذہنوں کو جو ابھی ناپختہ اور موم کی طرح نرم ہیں مسموم کرنے کے جتن کئے جا رہے ہیں۔

لیکن آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس نسل کی بربادی میں خود ہم بھی برابر کے شریک ہیں۔ لازمی ابتدائی تعلیم کا نفاذ ہو چکا۔ ہم اگر پرائمری اسکول کھول دیں اور کم سے کم چالیس بچوں کو داخل کرا کے ایک اُستاد بحال کر دیں تو حکومت اس ٹیچر کی تنخواہ مع مہنگائی دینے پر مجبور ہے۔ بلکہ کچھ متفرق اخراجات کی کفالت بھی حکومت کرتی ہے۔ اور اگر ہم زمین کا عطیہ دیں تو اسکول کی عمارت کے لئے بھی حکومت گرانٹ دے گی۔ کیوں نہ ہم بھی چاق و چوبند ہو جائیں۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اعداد و شمار ہمارے سامنے ہونا چاہئیں۔ آخر ستمبر میں پٹنہ ریاستی سطح پر کانفرنس ہو رہی ہے۔ آپ جیسے اُردو دوست اور اہل فکر کی مدد اور تعاون درکار ہے منسلکہ سوال نامے کا جواب بواپسی ڈاک ارسال فرمائیں نوازش ہوگی۔

سوال نامہ

(۱) گاؤں یا محلہ یا ٹولہ کا نام ؟
(۲) تھانہ۔ ڈاکخانہ۔ ریلوے اسٹیشن اور ضلع ؟
(۳) کل آبادی۔ (تخمینہ) ؟
(۴) اُردو آبادی (اندازاً) ؟
(۵) پرائمری اسکول پہلے سے موجود ہے ؟
(۶) ہے تو وہاں اُردو کی تعلیم ہوتی ہے ؟
(۷) اس میں اُردو بچے کتنے ہیں ؟
(۸) اُردو پرائمری اسکول ہے یا نہیں ؟
(۹) نزدیکی گاؤں یا پاس والے محلہ میں ؟
(۱۰) کیا اُردو پرائمری اسکول کھل سکتا ہے ؟
(۱۱) کتنے اُردو بچے داخل ہو سکتے ہیں ؟
(۱۲) کیا کوئی صاحب زمین کا عطیہ دیں گے ؟
(۱۳) یا کوئی کمرہ نئے اسکول کے لئے عاریتاً دیں گے ؟
(۱۴) اسکول کے لئے ٹیچر مل جائیں گے یا نہیں ؟
(۱۵) اگر ابھی اسکول ہے تو اُردو کی کیا پوزیشن ہے۔
(۱۶) نہیں ہے تو علاقے کے اُردو دوستوں کا کیا خیال ہے۔
(۱۷) اس سلسلے میں اور کوئی بات یا تفصیل یا اعداد شمار جو قابل ذکر ہوں وہ بھی تحریر کریں۔

(خادم: غلام سرور کنوینر)

جامعہ ملیہ میں گوشۂ جگر کا قیام

محترمی جناب سرور صاحب، کل ۹ ستمبر کو جگر مرحوم کی تیسری برسی تھی۔ اس موقع پر جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں "گوشۂ جگر" کا افتتاح فرمایا۔ ہم سب کو بڑی خوشی ہوتی اگر اس مبارک تقریب میں آپ بھی شریک ہوتے۔ جناب تسکین قریشی صاحب نے اس کی خواہش بھی کی تھی مگر وقت کی تنگی کی وجہ سے دلی سے باہر کے معززین کو مدعو نہیں کیا جا سکا۔

"گوشۂ جگر" کے پس منظر اور اس کے مقاصد سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ مرحوم کے جگری دوست تسکین قریشی صاحب کو بڑی فکر تھی کہ ملک کے مایہ ناز شاعر کی جو یادگاریں ان کو مل سکی ہیں ان کو کسی علمی اور تعلیمی ادارے میں اگر محفوظ کر دیا جائے اور آئندہ بھی مرحوم کی جو چیزیں کسی صورت سے مل سکیں یا ان کے متعلق کوئی چیز لکھی جائے تو ان کو بھی اکٹھا کر لیا جائے تو مرحوم کی یاد تازہ رہے گی اور ان پر کام کرنے والوں کو بھی بڑی آسانی

اور سہولت رہے گی۔ بالآخر موصوف کی نظر انتخاب جامعہ ملیہ پر پڑی۔ امیر جامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اور شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب نے جگر مرحوم کو جامعہ سے جو گہرا اور دلی لگاؤ رہا ہے، اس کی بنا پر اس تحریک کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور "گوشۂ جگر" کا قیام عمل میں آیا۔ اس تقریب میں جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ میرٹھ کے کچھ معززین نے، جو حضرت تسکین کے ساتھ تشریف لائے تھے اور دلی کے شاعروں اور ادیبوں نے شرکت کی۔

شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب نے مختصر طور پر "گوشۂ جگر" کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد تسکین قریشی صاحب نے ایک مختصر تقریر کے بعد امیر جامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو مرحوم کی کچھ چیزیں پیش کیں، جن میں "شعلۂ طور" اور "آتش گل" کے مسودے، کچھ بیاضیں، ڈائریاں اور "مکتوبات جگر" (بنام تسکین قریشی) کے اصل خطوط وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے بعد جگر مرحوم کے چند ریکارڈ سنائے گئے، جب مرحوم کا خاص ترنم فضا میں گونجا تو عجیب سماں پیدا ہو گیا اور حاضرینِ جلسہ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بعد ازاں جناب ابوالکاظم قیصر زیدی صاحب اور جناب رشید نعمانی صاحب نے مرحوم کی شخصیت اور شاعری پر مضامین پڑھ کر سنائے۔ آخر میں صدر جلسہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ آپ نے شیخ الجامعہ صاحب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "شکرگزار ہوں کہ اس صحبت میں شرکت کے لئے آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ شکرگزار ہوں کہ ایک موقع آپ نے اور دیا کہ ایک رنگین نوا شاعر، ایک خوش فکر، خوش خیال و خوش خصال انسان، ایک پیکر محبت و شرافت، ایک مرد غیور و خوددار، ایک مجسمِ خلوص و استغنا، ایک عزیز دوست اور کرم فرما، حضرت علی سکندر جگر مرادآبادی مرحوم و مغفور کی یاد پر عقیدت کے دو پھول چڑھا سکوں۔"

بہر حال "گوشۂ جگر" قائم ہو گیا ہے، اب شاعروں اور ادیبوں کا عام طور پر اور جگر کے دوست احباب اور قدردانوں کا خاص طور پر فرض ہے کہ وہ اس کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنائیں اور اس کو ایسا زندہ اور متحرک بنا دیں کہ جو شخص بھی یہاں آئے وہ محسوس کرے کہ "گوشۂ جگر" میں نہ صرف حضرت جگر کی جیتی جاگتی تصویر موجود ہے بلکہ وہ خود بھی مجسم موجود ہیں اور

"چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں"

(عبد اللطیف اعظمی)

شیوپوری میں جامعہ اُردو کا سینٹر

شیوپوری مدھیہ پردیش میں جامعہ اُردو علی گڑھ کے کل امتحانات کا سینٹر قائم ہو گیا ہے اور سال حال کے امتحانات ۱۸ر نومبر ۱۹۶۳ء تا ۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء اس علاقے کے طلبہ شیوپوری سینٹر سے ہی دیں گے۔

(خاور جبلپوری - مہتمم سینٹر)

کان پور کارپوریشن میں اُردو کی حمایت

مسٹر بابو بدری کی اُردو کی حمایت میں ایک تجویز پر کان پور کارپوریشن میں کافی بحث ہوئی۔ تجویز میں سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں یہ کہا گیا تھا کہ طلبہ سنسکرت لیں یا اُردو، یہ ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔

شاہ آباد میں سہ لسانی فارمولا

شاہ آباد ضلع ہردوئی میں، انجمن ترقی اُردو کی کوشش سے مقامی انٹر کالج کے درجہ چھ سے اُردو رائج ہو گئی۔ کالج میں چالیس طالب علموں نے اور جونیر گرلس اسکول میں بائیس طالبات نے مذکورہ فارمولا کے تحت اردو لے لی ہے۔

بہادر شاہ ظفر کی صد سالہ برسی

دہلی حکومت کی ظفر کمیٹی نے بہادر شاہ ظفر کی یادگار کے طور پر اس سال نومبر میں صد سالہ برسی منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ کمیٹی کے ممبر گوپی ناتھ امن نے بتایا کہ اس تقریب میں مشاعرہ امتیازی خصوصیت کا حامل ہوگا۔ (انڈین ایکسپریس)

سستی کتابوں کی طباعت

وزیر تعلیم مسٹر ہمایوں کبیر نے لوک سبھا میں بتایا کہ وزارت تعلیم نے یونیورسٹیوں کے فائدے کے لئے ہندوستانی مصنفوں کی معیاری کتابوں کو سستی قیمت پر چھپوانے کی ایک اسکیم بنائی ہے۔ ماہروں کی ایک جماعت ایسی کتابوں کا انتخاب کرے گی۔ امریکہ، برطانیہ اور روس نے اس اسکیم میں مدد دینے کی پیش کش کی ہے۔

(ہندوستان ٹائمز)

ہندی والوں کو وزیراعظم کا مشورہ

یوم ہندی کی تقریب کے موقع پر پارلیمنٹ کے مرکزی حال میں تقریر کرتے ہوئے وزیراعظم پنڈت نہرو نے کہا کہ ہندی میں دوسری زبانوں کے الفاظ کو بھی شامل کرنا چاہئے۔ اس سے ہندی اور زیادہ طاقتور اور ترقی پذیر بنے گی۔ انہوں نے بتایا کہ انگریزی کے موثر اور عالمگیر ہونے کا سبب ہی یہ ہے کہ اس نے ہندوستانی اور یورپی زبانوں کے سیکڑوں الفاظ اپنا لئے ہیں۔ سائنس اور مشینی دور کی بڑھتی ہوئی ترقی کے ساتھ ساتھ مختلف زبانوں میں نئے نئے الفاظ اور اظہار خیال کی علامتیں وضع ہو گئی ہیں۔ جدید اور زندہ زبان بننے کے لئے ہندی کو بھی انہیں اپنا لینا چاہئے۔

اگر کوئی زبان جامد ہو جائے تو جو تعلیم اس زبان کے ذریعہ دی جائے گی وہ بھی جامد اور غیر ترقی پذیر ہوگی۔ ہندی کو بھی نئے الفاظ، خیالات، علائم اور اصطلاحات کا ذخیرہ جمع کر کے مالدار بننے کی کوشش کرنا چاہئے۔

وزیراعظم نے ہندی کے ایسے حامیوں سے اختلاف ظاہر کیا جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ہندی دوسری زبانوں سے الگ تھلگ رہ کر ہی ترقی کر سکتی ہے۔ بخلاف اس کے پنڈت نہرو کی رائے میں ایک زبان کی ترقی دوسری زبان کی ترقی میں معاون ہوتی ہے۔ انہوں نے رائے دی کہ ہندی کے ساتھ ساتھ دوسری علاقائی زبانوں کو بھی ترقی کے مواقع دینا چاہئیں۔ قومی زبان کی حیثیت سے ہندی کو اتنا آسان اور قابل فہم ہونا چاہئے کہ سب لوگ آسانی سے سمجھ سکیں۔ انہوں نے کہا کہ ہندی اور اردو ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ ان کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی ضرورت ہے۔ اس سے قومی زبان زیادہ سے زیادہ عوام کے قریب آجائے گی۔ ہندوستان ٹائمز

گونڈے میں یوم جگر

(قومی زبان سے) گونڈے میں ٹامس کالج میں بہت بڑے پیمانے پر یوم جگر منایا گیا۔ مجلس مقالات کی صدارت حیات اللہ انصاری صاحب نے کی انہوں نے جگر کی شاعری کے عناصر کا تجزیہ کیا اور ان کی خوبیاں بتلائیں۔ اس مجلس میں پی پیام صاحب نے ہندی میں لکھا ہوا ایک مقالہ جگر کی شاعری پر پڑھا۔

اس موقع پر بہرائچ، بلرام پور اور گونڈے کے اردو کارکنوں میں بھی ایک اجتماع ہو گیا تھا۔ ان حضرات نے بتلایا کہ انجمن ترقی اردو کی جد و جہد سے اب تک حسب ذیل اسکولوں میں سہ لسانی فارمولا کے تحت اردو رائج ہو چکی ہے۔

۱۔ ٹامس انٹر کالج گونڈہ

۲۔ گورنمنٹ انٹر کالج گونڈہ

۴۔ جیمس ہائر سکنڈری اسکول نواب گنج۔

۵۔ امام باڑہ پرائمری اسکول گونڈہ۔

بہرائچ میں جن اسکولوں میں اردو رائج ہو چکی ہے اس کی رپورٹ پہلے شائع ہو چکی ہے۔

سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں کاموں کو زیادہ تیزی سے آگے بڑھانے کے لئے گونڈے اور بلرام پور میں کمیٹیاں بنادی گئی ہیں۔ اور راحت علی خاں ممبر مجلس عاملہ انجمن ترقی اردو اتر پردیش گونڈہ اور بلرام پور کا دورہ کریں گے۔ توقع یہ ہے کہ بہت جلد چند اور اہم اسکولوں میں سہ لسانی فارمولا کے تحت اردو رائج کرانے میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

تجاویز منظور شدہ ریاستی انجمن مدھیہ پردیش

مدھیہ پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس نہایت دکھ کے ساتھ اس غفلت کو دیکھتا ہے جو مدھیہ پردیش سرکار کی جانب سے مرکزی حکومت کے مادری زبان کے بارے میں ہدایات و احکام کی تعمیل کے معاملہ میں برتی جا رہی ہے جس سے صوبہ کے اردو عوام کو سخت مشکلات اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ آئینی تحفظات کی موجودگی میں مزید ہدایات کی ضرورت کا پیدا ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اردو کو پیچھے دھکیلے رہنے کی پالیسی دانستہ اپنائی گئی ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ افسوسناک یہ حقیقت ہے کہ مرکزی حکومت کی واضح اور غیر مبہم ہدایات و احکام کے باوجود اردو کے لئے میدان تنگ کرنے کی پالیسی بدستور کارفرما ہے اور مختلف مراحل پر اردو کو دبانے اور مادری زبان میں اردو والے عوام کے بچوں کو تعلیم کے مواقع فراہم نہ کرنے کا سلسلہ دراز تر ہوتا جا رہا ہے۔ لہٰذا مجلس عاملہ کا یہ جلسہ مدھیہ پردیش سرکار کی توجہ اس صورت حال کی جانب مبذول کراتے ہوئے امید کرتا ہے کہ قوم پرستی کے اس عظیم نشان اردو کو اس کا صحیح مقام دینے میں دلچسپی اور سرگرمی سے عمل کیا جائے گا۔ اور آئندہ کے لئے حکومتی اداروں میں کسی بھی مرحلہ پر اردو کے حقوق کو احترام کے ساتھ جاری کیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ مجلس عاملہ کا یہ اجلاس ریاست کے اردو عوام سے بھی دلسوزی سے اپیل کرتا ہے کہ صورت حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے ہمت کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کریں اور حال میں جو فارمات مادری زبان کے دریافت کرنے کے لئے والدین کو بھیجے جا رہے ہیں ان میں خاص طور پر اردو کا نام درج کیا جائے اور اسی اہتمام کے ساتھ اسکولوں میں جا کر ہیڈ ماسٹر صاحبان کو حوالے کئے جائیں۔

اس طرح ہماری تھوڑی سی توجہ سے اس صورت حال کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اور اردو کو ریاست میں اس کا صحیح مقام

۲- مدھیہ پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس حکیم محمد احسن صاحب سلطانپوری کی غم انگیز وفات پر اپنے گہرے رنج و ملال کا اظہار کرتا ہے۔ جو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے واقع ہوئی ہے۔ حکیم صاحب مرحوم حضرت مضطر خیرآبادی کے شاگرد رشید اور کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر تھے۔ حکیم صاحب مرحوم کا مجموعہ "نسخہ احسن" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ انجمن ترقی اردو اس حادثہ میں حکیم صاحب مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ ان کے رنج و الم میں برابر کی شریک ہے۔ اور دعا کرتی ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا ہو۔

محرک۔ ایم عرفان موید۔ مغنی صدیقی۔

انجمن ترقی اردو بالاپور (برار)

انجمن ترقی اردو بالاپور (برار) جناب بادی نقشبندی صاحب کی صدارت میں اپنے ایک غیر معمولی جلسۂ تعزیت میں انجمن کے بنیادی حیاتی اراکین حاجی عبداللہ احمد مرحوم امروانی سابق صدر انجمن ہائے اسکول کھام گاؤں (برار) مسلم ایجوکیشنل کانفرنس و صوفی عبدالوحید خاں بجنوری مرحوم سابق نائب صدر انجمن و صدر میونسپل کمیٹی بالاپور کی حیدرآباد میں رحلت پر اپنے گہرے رنج و افسوس کا اظہار کرتی ہے۔ ان بزرگوں کی رحلت انجمن کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مرحومین کو اردو زبان کی ترویج و ترقی سے غیر معمولی دلچسپی رہی اور اس مقصد کی تکمیل میں آخری وقت تک جدوجہد کرتے رہے۔

شیخ فرید (ناظم)

جلسۂ تعزیت نظر حیدرآبادی

انجمن ترقی اردو شاخ بودھن مستقر شکرنگر کا یہ غیر معمولی اجلاس جناب نظر حیدرآبادی کی اچانک موت پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ انجمن مرحوم کی ادبی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔

ساغر حیدرآبادی معتمد

"شبستان ادب" بہار شریف

مورخہ یکم ستمبر کو جناب اختر شیرازی کے دولتکدے پر مقامی ادیبوں شاعروں کی ایک نشست منعقد ہوئی۔ اس نشست میں "شبستان ادب" کا قیام عمل میں آیا۔ باتفاق رائے "شبستان ادب" کے سب اراکین منتخب ہوئے۔ صدر جناب پرویز احمد صاحب، نائب صدر جناب اختر شیرازی صاحب معتمد جناب شہزاد معصومی صاحب۔ نائب معتمد۔ جناب جنید شرفی صاحب اور شعبۂ نشر و اشاعت کے سکریٹری جناب عاشق ہرگانوی صاحب منتخب ہوئے۔

عاشق ہرگانوی

بزم ادب جھنجھنوں راجستھان

۱۱ ستمبر کو نئی ورکنگ کمیٹی کا انتخاب عمل میں آیا۔

گذشتہ میٹنگ میں طے شدہ پروگرام کے مطابق جو وفد محکمہ تعلیم کے افسروں سے اردو زبان کی تعلیم کے بندوبست کے لئے ملا تھا۔ اس کے نتیجہ میں چند مقامی اسکولوں میں اردو تعلیم کا جو انتظام ہوا ہے۔ اس کی تفصیل سننے کے بعد طے کیا گیا کہ بقیہ اسکولوں میں انتظام کرانے کے لئے دوبارہ محکمہ تعلیم کے ذمہ دار افسروں سے ملاقات کی جائے۔ خاص طور سے نوا ہائر سیکنڈری اسکول اور مقامی ملٹی پرپز اسکول میں جو طلبا سہ لسانی فارمولے کے تحت اردو پڑھنا چاہتے ہیں اس کی منظوری جلد از جلد حاصل کی جائے۔ علاوہ ازیں بزم میں اخبارات و رسائل جاری کرانے کی منظوری بھی دی۔

چند کمیٹیوں کا تقرر کیا گیا جس میں مالیاتی کمیٹی۔ لائبریری کمیٹی قابل ذکر ہیں۔ ادارے کا سالانہ بجٹ بھی منظور کیا گیا۔ "اسکول چلو" ہفتہ اور "دستخطی مہم" چلانے کا پروگرام بھی طے کیا گیا۔

خورشید حسین خورشید

لسانی کمشنر کی پانچویں رپورٹ

لسانی اقلیتوں کے کمشنر نے اپنی پانچویں رپورٹ میں کہا ہے کہ ۱۹۶۲ء کے دوران صوبائی حکومتوں نے لسانی اقلیتوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کے بڑھتے ہوئے احساس کا اظہار کیا ہے۔ لیکن ان کے علم میں چند ایسی مثالیں بھی آئی ہیں جن میں لسانی اقلیتوں کو دئے جانے والے تحفظات کی طے شدہ اسکیم سے انحراف کیا گیا تھا مجھے امید ہے کہ آئندہ اس قسم کے واقعات کم سے کم ہوں گے۔ بیشک لسانی اقلیتوں کے سلسلہ میں صوبائی حکومتوں پر خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن لسانی اقلیتوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ترجیحی سلوک کا مطالبہ نہ کریں اور قوم کی زندگی کے خاص دھارے سے اپنے کو الگ نہ کریں۔

ابتدائی تعلیم کے بارے میں کمشنر نے کہا ہے کہ ابتدائی مرحلہ سے انگریزی اور ہندی کی تعلیم دینے کی سفارش وزرائے اعلیٰ کانفرنس نے کی تھی لیکن صوبوں نے کوئی یکساں ڈھانچہ اور معیار نہیں مرتب کیا ہے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا اس وقت تک لسانی اقلیتوں کے بچے جنھیں نقل وطن کرنا پڑتا ہے، خسارے میں رہیں گے۔

سہ لسانی فارمولے کے اختیار کرنے میں دشواری پیش آئی ہے کہ اس فارمولے کے تحت ہندی والے صوبوں میں اور دوسرے صوبوں میں ہندی بولنے والی لسانی اقلیتوں کو صرف تین زبانیں پڑھنا ہوں گی لیکن دوسری لسانی اقلیتوں کو چار زبانیں پڑھنا ہوں گی اور ایسے بچوں کے معاملہ میں سہ لسانی فارمولا دراصل چار زبان والا فارمولا [illegible]